© rasailojaraid.com

جنگ آزادی کی حقیقی نوعیت

اندازہ کیجیے کہ اس "جنگ آزادی" کی حقیقی نوعیت کیا ہے۔ اس کی نوعیت یہ نہیں ہے کہ میرے قید خانے کا رفیق مجھ سے کہتا ہو کہ آؤ میں اور تم دونوں مل کر جیلر سے لڑیں اور ہم دونوں اپنی بیڑیاں اور ہتھکڑیاں کاٹ پھینکیں۔ اگر معاملہ یہی ہوتا تو مجھ سے بڑھ کر کون احمق ہوتا کہ ایسے کارخیر میں اس کا ہاتھ بٹانے سے انکار کرتا لیکن یہاں صورت حال کچھ اور ہی ہے۔ میرا رفیق زنداں اس تدبیر میں ہے کہ جیلر کو ہٹا کر خود اس کی جگہ لے لے اور اپنے ہاتھ پاؤں کی ہتھکڑیاں اور بیڑیاں بھی میرے ہاتھ پاؤں میں ڈال کر مجھے اپنا قیدی بنا لے۔ وہ مجھ سے تو کہتا ہے کہ آؤ اس قید و بند سے آزادی حاصل کرنے کے لیے جیلر سے لڑیں۔ مگر جیلر کے ساتھ یہ معاملہ طے کرتا ہے کہ حضور مجھے برقنداز بنا دیں، جیل کا انتظام حضور کے حسب منشا ہو گا اور قیدیوں کو میں قابو میں رکھوں گا۔ اس طرح جو کچھ اختیارات اسے جیلر سے ملتے جاتے ہیں ان سے کام لے کر وہ اپنی قید کے طوق و سلاسل اتار کر مجھے کستا چلا جاتا ہے۔ اور مزید غضب یہ ہے کہ جیلر صاحب تو نرے جیلر تھے مگر یہ ہمارے رفیق زنداں صاحب جو اب برقنداز بنے ہیں، ان کو مردم خوری کا لپکا بھی ہے۔ یہ مجھے فقط اپنا قیدی ہی نہیں بنانا چاہتے بلکہ میرے گوشت اور خون کو آہستہ آہستہ اپنا جزو بدن بھی بنا لینے کی فکر میں ہیں۔ اب اگر میری عقل ماری گئی ہے تو میں ان کے ساتھ ضرور تعاون کروں گا تاکہ یہ میری مدد سے جیلر پر دباؤ ڈال کر اور زیادہ اختیارات حاصل کریں اور زیادہ آسانی سے مجھے نوش جان فرما سکیں۔ اور اگر میری ہیے کی آنکھیں [دل کی آنکھیں] پھوٹ چکی ہیں تو میں جیل کی کوٹھڑی میں بے فکر بیٹھا ان برقنداز صاحب کی ترقی کو دیکھتا رہوں گا۔ اور اگر جیل کی زندگی نے مجھے پست ہمت اور ذلیل بنا دیا ہے تو میں بوڑھے جیلر کی خدمت میں دوڑا ہوا جاؤں گا اور ہاتھ جوڑ کر عرض کروں گا کہ حضور کا دم سلامت رہے، جب تک آپ جیتے ہیں اس وقت تک تو آپ ہی جیل کا انتظام فرمائیں، جب خدانخواستہ آپ کا وقت آن پورا ہو گا اس وقت دیکھی جائے گی، جس کی قید بھی قسمت میں لکھی ہو گی بھگت لیں گے۔ لیکن اگر میں عقل و خرد سے کچھ بھی بہرہ رکھتا ہوں اور میری رگوں میں ابھی شرافت کا بھی خون باقی ہے تو میں ہمت کر کے اٹھوں گا اور جیل کی دیواریں اپنے ہاتھ سے توڑنے کی کوشش کروں گا۔ زیادہ سے زیادہ یہی ہو سکتا ہے کہ اس کوشش میں جیلر یا برقنداز کی گولی کا نشانہ بن جاؤں گا' تو بہت اچھا' مجھے اس کو گوارا کر لینا چاہیے۔ قیدی کی زندگی سے' اور برقنداز کی غذا بننے سے لاکھ درجے بہتر ہے کہ لڑ کر مارا جاؤں۔ اس مردانہ کام میں دور ہی کا سہی مگر یہ امکان بھی ہے کہ مجھے اپنی کوشش میں کامیابی نصیب ہو جائے اور میں اپنے مکار رفیق زنداں سے کہہ سکوں کہ برادرم! جیل کی ہوا بھول جاؤ اور سیدھی طرح شریف ہمسایہ بن کر رہو۔ (مسلمان اور موجودہ سیاسی کش مکش، سید مودودیؒ، ترجمان القرآن، جلد ۱۳، عدد ۲، ۳، ۴، شعبان، رمضان، شوال، ۱۳۵۷ھ، اکتوبر، نومبر، دسمبر ۱۹۳۸ء)

© rasailojaraid.com